سُورَۃُ الُتَّکَاثُر

پہلی آیۃ مبارکہ کے لفظ ''اَلتَّکَاثُرُ'' کواس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔اس سورۃ مبارکہ میں انسان کوخوابِ غفلت سے بیدار کیا جارہا ہے کہ دنیا کی حرص وہوس انسان کوآخرت کے بارے میں اندھا اور بہرا بنادیتی ہے اور وہ اِس چندروزہ حیاتِ مستعار میں اپنے رب سے غافل ہوجاتا ہے۔

اِس میں کلام نہیں ہے کہ روح وجسم کے تعلق کو برقرار رکھنے کے لیے اسے کھانے پینے کی ضرورت ہے اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے وہ دوڑ دھوپ کرتا ہے اور اسے اس کے حصول کے لیے کوشش کرنی بھی چاہیے کہ رب کائنات نے اسے محنت کے لیے پیدا کیا ہے، مگراس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شب وروز دھن دولت اکٹھی کرنا ہی اس کا مقصد حیات بن جائے اور فکرآخرت کو یکسر بھلا دے اور عبادت وریاضت میں اس کی کوئی دلچسپی نہ رہے یا حصول دولت میں اتنا مگن ہوجائے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کے احساسات بھی مردہ ہوجائیں، اور وہ اسی ادھیڑ بن میں رہے اور فرشتۂ اجل اُس کے دروازے پر دستک دے ڈالے اور اس وقت کفِ افسوس ملنے کے سوااس کے پاس کچھ باقی نہ رہ جائے، اس وقت اسے معلوم ہوجائے گا کہ دنیا طلبی کے یہ جذبات اُخروی زندگی کے لیے یقیناً نقصان دہ تھے، اس برے انجام سے لوگوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ یہ زندگی اور اس کی نعمتیں تمہاری آزمائش ہیں، ان کا مناسب اور جائز استعمال کرو، دولت کماؤ بھی اور اللہ کی رضا کے لیے غرباومساکین پر خرچ بھی کرو، خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ کچھ کھانے کمانے کے لیے وقت نکالو، تو اللہ کی بندگی کے لیے اپنے آپ کو وقف بھی کرو، اس طرح ایک عاجز، عادل اور فرمانبردار بندے کی حیثیت سے اپنے رب کے حضور پہنچ کر کامیاب ہوجاؤ۔

سُوۡرَۃُ التَّکَاثُر

آیات:۸ رکوع:۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ(۱) حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ(۲) کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ(۳) ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ(۴) کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ(۵) لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ(۶) ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ(۷) ثُمَّ لَتُسۡئَلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ(۸)﴾

(اے لوگو!) تمھیں مال و جاہ میں اضافے کی طلب نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو، ہاں ہاں! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا، (پھر سن لو) ابھی ابھی تمہیں علم ہو جائے گا، ہاں ہاں، اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے جانتے ہوتے کہ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا)، پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے پھر اس دن تم سے ضرور بضرور نعمتوں کا سوال ہوگا۔

﴿اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ﴾

تمھیں مال و جاہ میں اضافے کی طلب نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔

اَلۡھٰکُمۡ (اَلۡھٰی. کُمۡ) غافل کر دیا۔ تم (کو) ”کُمۡ“ ضمیر جمع مذکر حاضر، ان تمام انسانوں کی طرف جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (اَلۡھٰی، یُلۡھِیۡ) غافل کرنا،

کھیل تماشے میں مصروف کر دینا، اللَّھُو، کھیل کود، تفریح طبع، مشغلہ، بہلاوا، (القاموس الوحید) لہو و لعب اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے، التَّکَاثُرُ یہ باب تفاعل کے وزن پر ہے اور اس کا مطلب ہے مال و دولت کی کثرت میں باہم مقابلہ کرنا، اردو میں اکثر، کثرت جانے پہچانے الفاظ ہیں، حَتّٰی یہاں تک (کہ) یہ لفظ غایت و انتہا کے لیے استعمال ہوتا ہے، زُرْتُمُ تم نے زیارت کر لی فعل ماضی جمع مذکر حاضر (زَارَ، یَزُوْرُ) زیارت کرنا، جانا، الْمَقَابِرَ قبروں (کی) اس کا مفرد الْمَقْبَرَۃ ہے، یہ اردو میں بھی معروف ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''تکاثر کے معنی ہیں مال و دولت کی کثرت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو، عرب جاہلیت میں حفاظت و مدافعت کی ذمہ داری چونکہ خاندان اور قبیلہ ہی پر ہوتی تھی، اس وجہ سے قبیلہ میں سرداری کا مقام اسی خاندان کو حاصل ہوتا جس کے افراد زیادہ ہوں۔ اس چیز نے قدرتی طور پر ان کے ہاں مال کے تکاثر کے ساتھ ساتھ اولاد کے تکاثر کے جذبہ کو بھی بہت قوی کر دیا تھا، چنانچہ ان کے لٹریچر پر جن کی نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ جس طرح وہ اپنے مال کی کثرت پر فخر کرتے، اسی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی اولاد کی کثرت پر بھی فخر کرتے۔

اب موجودہ دور میں اجتماعی زندگی کے بدلے ہوئے نظام اور خاص طور پر خاندانی منصوبہ بندی کے تصور نے اولاد کی کثرت کے رجحان کو دبا کر اس کی جگہ معیارِ زندگی کے رجحان کو غالب کر دیا ہے، اس دور کی عام بیماری یہی ہے، مشکل ہی سے اس زمانے میں کوئی شخص اس وبا کے اثر سے محفوظ ملے گا، ہر شخص رات دن معیار زندگی اونچا کرنے کی دھن میں ہے اور چونکہ اس کی کوئی حد معین نہیں ہے، اس وجہ سے جو اس میدان میں گامزن ہیں ان کو اپنا ہر قدم پہلا قدم معلوم ہوتا ہے۔ آخری منزل نگاہوں سے اوجھل ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ کب آئے گی اور کبھی آئے گی بھی یا نہیں، ظاہر ہے کہ معیار زندگی کی بلندی کا سارا انحصار مال پر ہے، تو جب معیار کی کوئی حد معین نہیں ہے تو مال کی حرص میں بھی کسی کمی کا امکان نہیں ہے، چنانچہ جس رفتار سے زندگی کا معیار اونچا ہو رہا ہے اس سے زیادہ شدت کے ساتھ مال کی حرص بڑھتی جا رہی ہے، یہی چیز ہے جس کو قرآن نے 'تکاثر' سے تعبیر کیا ہے اور اس کا اثر یہ بتایا ہے کہ اس

نے ہر شخص کو اسی طرح اپنے دامِ فریب میں گرفتار کرلیا ہے کہ اس میں عمر بیت جاتی ہے اور کسی کو اس سوال پر غور کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس زندگی کے بعد بھی کوئی زندگی ہے یا نہیں، اور ہے تو اس کے لیے بھی کچھ کرنا ہے یا نہیں۔'' (تدبر قرآن، ج:۸)

﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ، ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾

ہاں ہاں! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا (پھر سن لو) ابھی ابھی تمہیں علم ہو جائے گا۔

كَلَّا (کلمۂ تنبیہ و توبیخ) ہرگز نہیں، یعنی جو بات تم سوچتے اور سمجھتے ہو ایسا ہرگز نہیں ہے، یا پھر اس کا ترجمہ ہاں ہاں کر سکتے ہیں یعنی فکر نہ کرو، سَوْفَ عنقریب (حرف استقبال)، تَعْلَمُوْنَ تمہیں معلوم ہو جائے گا، فعل مضارع جمع مذکر حاضر (عَلِمَ، يَعْلَمُ، عِلْمًا) جاننا، معلوم ہونا، ثُمَّ پھر (حرف عطف)، كَلَّا ہاں ہاں! سَوْفَ عنقریب، تَعْلَمُوْنَ تم جان لو گے، عربی زبان کا اسلوب ہے جس کسی جملے میں تکرار آ جائے اس سے معاملے کی شدت اور سنگینی کا احساس دلایا جا رہا ہوتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''یعنی یہ ساری غفلتیں محض عارضی ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی عالم برزخ شروع ہو جائے گا اور اسی کے ساتھ کشف حقائق بھی...... خود ہی جان لو گے، کہ اصل حقیقت کیا تھی اور تم اس دنیا میں کس شدید حماقت اور بھول میں پڑے رہے۔'' (تفسیر ماجدی)

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اس دنیا میں خواہ کتنی ہی طویل عمر ہو جائے آخرت کے مقابلے میں یہ چند ہی لمحات ہیں، ذرا اس آیہ مبارکہ پر غور کیجیے:

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ (یونس:۴۵) ''اور جس روز اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو (دنیا کی زندگی انہیں ایسے محسوس ہوگی) گویا یہ محض ایک گھڑی بھر آپس میں جان پہچان کو ٹھہرے تھے۔

﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ﴾

ہاں ہاں! اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے جانتے ہوتے کہ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے۔(تو تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا)

كَلَّا (حرف تنبیہ) ہاں ہاں! لَوْ اگر (حرف شرط)، تَعْلَمُوْنَ تم جانتے فعل مضارع جمع مذکر مخاطب(عَلِمَ، يَعْلَمُ، عِلْمًا) جاننا، عِلْمَ الْيَقِيْنِ، یقینی علم، لَتَرَوُنَّ (لَ.تَرَوُنَّ) ضرور بضرور۔ تم دیکھو گے (رَاٰی، يَرَى، رُؤْيَةً) دیکھنا، لام زبر والا تاکیدی معنی دیتا ہے، ''نّ'' شد والا مزید تاکید پیدا کر رہا ہے، گویا اس جملے میں زبردست تاکید پیدا ہو رہی ہے اس لیے ترجمہ میں ضرور بضرور کا اضافہ کیا گیا ہے، الْجَحِيْمَ جہنم (کو)۔

﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ، ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾

پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے پھر اس دن تم سے ضرور بضرور نعمتوں کا سوال ہوگا۔

ثُمَّ پھر (حرف عطف) سلسلہ کلام کو جاری رکھنے کے لیے، لَتَرَوُنَّهَا (لَ.تَرَوُنَّ.هَا) ضرور بضرور، تم دیکھو گے، اسے (جہنم کو) لام تاکیدی معنی دیتا ہے، تَرَوُنَّ مضارع جمع مذکر حاضر، 'نّ' (شد والی) ثقیلہ کہلاتی ہے، اس سے مزید تاکید کا معنی پیدا ہوتا ہے، 'ھا' کی ضمیر واحد مؤنث غائب الْجَحِيْمَ [جہنم] کی طرف جاتی ہے، عَيْنَ الْيَقِيْنِ، یقین کی آنکھ (سے)، ثُمَّ پھر، حرف عطف، لَتُسْئَلُنَّ تم سے سوال کیا جائے گا (لَ.تُسْئَلُ.نَّ) ضرور بضرور تم سے سوال ہوگا، لام تاکیدی معنی دیتا ہے، عَنِ النَّعِيْمِ نعمتوں کے بارے میں (جو دنیا میں تمہیں عطا کی گئیں)۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ، یعنی اگر تم یقین کے ساتھ جانتے کہ جہنم کو لازماً دیکھو گے۔ 'لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ' پر لام، اس یقین کی تعبیر کے لیے ہے جس کا ہونا مطلوب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ علم یقین جو ان باتوں کو ماننے کے لیے مطلوب ہے اس کے وسائل اللہ تعالیٰ

نے انفُس و آفاق کے شواہد اور قرآن کی آیاتِ بینات میں رکھ دیے ہیں، اس وجہ سے ہر عاقل مکلّف ہے کہ ان کو سمجھے اور مانے، جو ان سے گریز کرتا ہے خواہ سمجھنے سے گریز کرتا ہے یا اس کے قبول کرنے سے، وہ اپنی بدبختی کا ذمہ دار خود ہے، عنداللہ وہ اپنے اس گریز کی سزا بھگتے گا۔

اس سے یہ بات بھی نکلی کہ ایک عاقل کو اس دنیا میں غیب کے حقائق کا علم یقین تو حاصل ہو سکتا ہے اس لیے کہ علم یقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے جو انفس و آفاق اور قرآن میں بیان کر دیے گئے ہیں لیکن عین الیقین کا درجہ اس کو آخرت ہی میں حاصل ہوگا اس لیے کہ اس کا تعلق معائنہ و مشاہدہ سے ہے، جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ چیز اس دنیا میں بھی حاصل ہوتی ہے، ان کا دعویٰ ہمارے نزدیک بے بنیاد ہے اس دنیا میں عین الیقین نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس بات کا علم الیقین حاصل ہوتا ہے کہ قرآن جو کچھ ہمیں بتا رہا ہے، وہ ایک دن ہم آنکھوں سے بھی دیکھیں گے، عین الیقین اس دن حاصل ہوگا جس دن تمام حقائق کا آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے۔

''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ'' یہ بات بھی ''لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنَ'' کے تحت ہی ہے یعنی اگر تمہیں اس بات کا علم ہوتا کہ اس دن تم سے تمام نعمتوں کی پرسش ہونی ہے...... پرسش سے مراد ظاہر ہے کہ وہ سزا ہے جو ان کو ناشکری، ناقدری اور ان کے سوءِ استعمال کے نتیجہ میں بھگتنی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی قوتیں و صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور جو وسائل و ذرائع بھی بخشے ہیں، وہ سب ''نعیم'' میں داخل ہیں، ان کا فطری حق یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکرگزار رہا جائے اور ان کو اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر ان کاموں میں استعمال کیا جائے جن کے لیے وہ عطا ہوئے ہیں، کوئی نعمت اگر ضائع کی گئی یا وہ خالق کی پسند کے خلاف استعمال ہوئی تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا دے...... انسان کے کان، آنکھ، دل، دماغ اور تمام اعضا و جوارح نعمت ہیں، اِسی طرح اس کو جو ظاہری و باطنی قوتیں اور صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں وہ بھی نعمت ہیں، ان کا فطری حق، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہی ہے کہ انسان ان کو برتے اور اپنے رب کا شکرگزار رہے، اس شکرگزاری کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ ان کے برتنے میں نہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود سے تجاوز کرے اور نہ ان میں سے کسی کے عشق میں اس طرح مبتلا ہو جائے کہ اس کو معبود بنا بیٹھے اور اللہ کو بھول جائے، جو لوگ اس طرح کے کسی تجاوز میں مبتلا

ہوں گے، وہ قیامت کے دن لازماً اس کی سزا بھگتیں گے۔"(تدبر قرآن، ج:۸)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:

۱) مال و دولت سامانِ زیست ہے جسے جائز اور حلال طریقے سے حاصل کرنا عین عبادت ہے مگر یہ مقصد زیست نہیں ہے بقول شخصے کہ کھاؤ زندہ رہنے اور رب کی بندگی کے لیے نہ کہ کھانے کو زندگی کا مقصد بنالو، اسلام نہ تو رہبانیت سکھاتا ہے کہ نیکی کے حصول کے لیے جنگلوں اور غاروں کی پناہ لو اور نہ ہی صرف دنیادار بناتا ہے کہ کوئی شخص صبح وشام اسی میں کھویا رہے، وہ توازن اور اعتدال کی راہ پر چلاتا ہے......اگر تم نے حق حلال کی روزی کمائی ہے تو اس سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھرو، ہاں کچھ زائد مال ہے تو غربا و مساکین کی مدد بھی کردو کہ یہ سب کچھ تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، تو اس کے ساتھ ساتھ تم رب کائنات کے حضور سجدۂ شکر بھی بجالایا کرو۔ گویا یہ دین معاشی ومعاشرتی اور روحانی و اخلاقی اقدار کا حسین امتزاج ہے، جس کی بندۂ مومن اپنے رب کے حضور بھیک مانگتا رہتا ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

"اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز اور آتشِ جہنم سے بچا۔" آمین!

۲) صرف مال و دولت ہی کی ہوس نہ صرف افراد کے لیے فساد کا سامان ہے بلکہ اقوام کے لیے بھی تباہی وخسارے کا باعث ہے......اس کا لازمی نتیجہ فتنہ انگیزی، فساد فی الارض، باہمی جنگ وجدال اور انسانیت سوزی کی شکل میں رونما ہوتا ہے، اس وقت یورپی برادری اور ان کا لیڈر امریکہ اسی غرور میں مبتلا ہیں اور انہوں نے دنیا بھر میں طوفان مچا رکھا ہے۔

بالآخر افراد اور قوموں کو زور اور زر عمیق غار میں دھکیل دیتا ہے یا تو اس عارضی دنیا میں ان کا حساب چکا دیا جاتا ہے یا پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد انہیں دائمی عذاب میں جکڑ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافاتِ عمل میں دیر تو ہے مگر اندھیر نہیں۔

..................o..................